ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

نذر سجاد حیدر اور ان کے معاصرین کے ناولوں میں خواتین کی اخلاقی تربیت کے تناظرات: تقابلی مطالعہ

Comparative Analysis of Women's Moral Upbringing in Nazr Sajjad Haider's Novels and Contemporary work

ڈاکٹر کوثر پروین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، غازی نیشنل انسٹیٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ سائنسز، ڈیرہ غازی خان

Dr. Kausar Parveen
Assistant Professor, Ghazi National Institute of Engineering & Sciences, Dera Ghazi Khan

Abstract: Analyzing the portrayal of women's moral upbringing in the novels of Nazr Sajjad Haider and his contemporaries, it's evident that these literary works in the form of novels offer a window into societal perspectives on female virtues. Nazar Sajjad Haider's narratives and those of his peers intricately weave tales of women navigating ethical dilemmas, showcasing the complexities of moral development within societal frameworks. Through varied characters and plotlines, these novels shed light on cultural norms, societal expectations, and the evolving roles of women in their respective contexts. Such comparative studies not only deepen our understanding of literature but also provide insights into the nuanced representations of women's moral upbringing across different literary periods and societal landscapes.

Key words: Nazar Sajjad Haider, women navigating, Ethical dilemma, cultural norms, societal expectations, Moral development

ہر قوم، ہر شہر اور ہر ملک میں بعض اخلاقی اور تہذیبی قدریں وجہ امتیاز ہوتی ہیں جو دوسرے کے مقابلے میں شناخت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ہندوستان بہت سے صوبوں میں تقسیم ہے، ہر صوبہ سے اس کی کچھ انفرادی قدریں وابستہ ہیں جن کے سبب ہر صوبہ کا باشندہ اپنی پہچان کراتا ہے۔ اخلاقی قدروں کے اسی فرق نے مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب کی اصطلاحیں تشکیل دیں۔ اہلِ مشرق اپنی تہذیبی اقدار پر نازاں ہیں تو اہل مغرب بھی اپنی تہذیبی قدروں پر فخر کرتے ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کی اخلاقی و تہذیبی قدروں کو اسی وقت اپناتی ہے جب اسے اپنے متعلق احساس کمتری ہو۔ اگرچہ ہر شخص اپنے انفرادی عادات واطوار رکھتا ہے لیکن ماحول کے زیر اثر بعض قدریں تمام اشخاص میں مشترک ہوتی ہیں مثلاً مجموعی طور پر یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں علاقہ کے لوگ بڑے مہمان نواز ہیں یا فلاں جگہ کے افراد عیاش اور بد اخلاق ہیں۔ اس طرح کی آرا کسی بھی معاشرے میں اکثریت کے مابین اخلاقی طور پر قدر مشترک ہونے کے بعد قائم کی جاتی ہیں۔

جس عہد کا معاشرہ زیر بحث ہے وہ آج سے بہت مختلف تھا، طرز زندگی کچھ اور تھا، آداب و رسوم مختلف تھے اور اس وقت جن باتوں کو تسلیم کیا جاتا تھا ان پر شدت کے ساتھ عمل ہوتا تھا۔ آج کے صنعتی دور نے معاشرے کو آداب و رسوم کی پابندیوں سے آزاد کر دیا ہے۔ اس زمانے کے لوگ انتہا پسندی کی حد تک ماضی پرست تھے، صدیوں سے مروج اخلاقی قدروں پر چلنا فرض اولین

سمجھتے تھے۔ بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھنا بہت بڑی سعادت تصور کیا جاتا تھا۔ مثالی دخترانِ سلاطین سے عام آدمی کا تعلق خاطر کرنا بھی معیوب تھا۔ کنور محمد اشرف بیسویں صدی کے اوائل (عہدِ نذر سجاد) کا مطالعہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> "اس دور کی خوبیاں اور برائیاں مجموعی طور پر گنی چنی تھیں، تاہم یہ خصوصیات خاصی ترقی یافتہ مضبوط بنیادوں پر قائم تھیں، رسوم و رواج اور مذہب جنھوں نے ان طور طریقوں کی مختلف صورتوں سے حفاظت کی موجودہ دور کے دینی اور اخلاقی اعتمادات سے زیادہ مفید قوتیں تھیں"(۱)

اُردو ناول کے آغاز میں نذیر احمد نے اپنے مختلف ناولوں کے ذریعے ایک خاتونِ خانہ دار کو متعارف کرایا ہے۔ نذیر احمد نے روز مرہ زندگی کے کرداروں کی تخلیق کی ہے جن سے ہمارا واسطہ روزانہ پڑتا اور جن سے ہم واقف ہیں۔ اکبری (ناول۔ مراۃ العروس) کے ذریعہ اُنھوں نے یہ منظر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک ان پڑھ عورت کس قدر پھوہڑ، جاہل اور بد اخلاق ہوتی ہے اور کس طرح اپنے گنوار پنے اور جہالت سے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ کر کھنڈر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اصغری (ناول۔ مراۃ العروس) کے ذریعہ یہ بات باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک تعلیم یافتہ خاتونِ خانہ دار کس قدر خوش اخلاق، سلیقہ شعار اور ہنر مند ہوتی ہے اور کس طرح الجھے اور پیچیدہ حالات کو اپنی دماغی صلاحیت، ذہانت اور حسنِ اخلاق سے سنوار لیتی ہے۔ یہ دونوں کرداروں کا اجتماعِ ضدین ہیں۔ حسن آراء (ناول۔ بنات النعش) "اکبری اور اصغری" کے کرداروں کا ایک حسین امتزاج ہے)۔

یہ ایک خوش خلق لڑکی کا عکس ہے جو پہلے اکبری کی طرح برائیوں کا مرقع ہوتی ہے اور بعد میں اچھی تربیت کی وجہ سے اصغری کی طرح اچھائیوں اور خوبیوں کا حسین پیکر بن جاتی ہے۔ زندگی کی یہ رنگا رنگی اور متنوع کیفیات ہمیں دیگر کرداروں ہریالی، غیرت بیگم (فسانہ مبتلا) نعیمہ، فہمیدہ (توبتہ النصوح)، اور آزادی بیگم (ایامیٰ) میں بھی ملتی ہیں۔ ہریالی کے کردار میں ایک طوائف کے مسائل کو نفسیاتی پیش کش کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ المختصر نذیر احمد نے اپنے ابتدائی ناولوں میں جن نسوانی کرداروں کو پیش کیا ہے ان میں ایک کمی ہے اور وہ یہ کہ جو کردار برے کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس میں تمام برائیوں کو بھر دیا گیا ہے اور جو کردار اچھے کردار ہیں ان میں دنیا بھر کی اچھائیاں گھر کیے ہوئے ہیں۔

پہلے ناول نگار "نذیر احمد" کے بعد کئی لوگوں نے عورتوں کے مختلف اخلاقی، سماجی اور معاشرتی مسائل کی طرف توجہ مبذول کر کے ان کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان میں مولانا الطاف حسین حالی، شاد عظیم آبادی اور مرزا عباس حسین ہوش قابل ذکر ہیں۔ حالی نے "مجالس النساء" میں عورتوں کی اخلاقی درستی اور معاشرتی اصلاح کے بارے میں دلچسپ باتیں بیان کی ہیں۔ شاد عظیم آبادی نے صورت الخیال میں نذیر احمد کی اصغری سے ملتا جلتا کردار ولایتی کا پیش کیا ہے۔ ہوش کے افسانہ "نادر جہاں" کی طاہرہ میں بھی اصغری کے کردار کی طرح صرف خوبیاں ہی خوبیاں اور اچھائیاں ہی اچھائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس دور میں رتن ناتھ سرشار نے کئی اہم اور کامیاب کرداروں کو تخلیق کیا ہے جن میں حسن آراء پہر آرا اور اللہ رکھی (فسانہ آزاد) قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ حسن آرا کو ایک شریف عورت کے روپ میں متعارف کرایا گیا ہے لیکن اس کی آزادی اور بے باکی نسوانی معصومیت اور شرافت کی نفی کرتی ہے۔ حسن آراء کے برعکس اس کی چھوٹی بہن سپہر آرا کے کردار میں حقیقی پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے اُس کی سیرت میں فطری جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

شرر کا نام تاریخی ناول نگاری کی وجہ سے نہایت اہم ہے۔ اپنے نسوانی کرداروں میں نہوں نے برے کردار بھی پیش کئے ہیں، ان کے نسوانی کرداروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے سچے عقیدت مند ہوتے ہیں ور جنا، موہنا، مریم، فلورنڈا اور زمرود وغیرہ ان کے کامیاب نسوانی کردار کہلائے جاسکتے ہیں۔ حکیم محمد علی طبیب نے بھی کئی تاریخی ناول شرر کی تقلید میں لکھے ہیں لیکن ان کے ناولوں میں کوئی ایسی انفرادی خصوصیت نہیں ملتی ہے جو ان کی الگ پہچان کہلائی جاسکتی ہو۔ سجاد حسین انجم نے ایک ناول "نشتر" لکھا ہے جس میں طوائفوں کی زندگی سے متعلق مختلف مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ خانم جان اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔

محمد ہادی رسوا کا نسوانی کردار "امراؤ جان ادا" اُردو کے نسوانی کرداروں کی دنیا میں ایک تابناک کردار ہے۔ مندرجہ بالا تمام نسوانی کرداروں کے مقابلہ میں یہ کردار، بھرپور، جامع اور دلچسپ ہے۔ اس کے کردار کی عظمت یہ ہے کہ ایک گھناؤنے اور غلط ماحول میں تربیت پانے اور زندگی بسر کرنے کے باوجود اس کا ضمیر زندہ ہے اور یہی زندہ ضمیر امراؤ کی احساساتی اور جذباتی دنیا کو تابناکیاں بخشے ہوئے ہے۔ انسان کی بے رحمیوں اور ناانصافیوں کا شکار ہونے کے باوجود انسانیت پر اس کا یقین ہے یہی یقین اس کی جیت ہے اور یہ جیت اس کے کردار کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ رسوا کا دوسرا نسوانی کردار "خانم" (ناول-امراؤ جان ادا) بھی ایک اہم کردار کے روپ میں ابھرتا ہے۔ وہ ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ عورت ہے۔ رسوا کے بعد راشد الخیری کا نام اُردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک اہم نام ہے۔ ان کے نسوانی کرداروں میں نسیمہ، سنجیدہ بیگم، وسیم دلہن، نسترن، جہاں آرا، حشمت آرا، ناصرہ اور ہاجرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعہ اُنھوں نے عورت کی ہے کسیاں زبانیاں، خوش فہمیاں، مظلومیاں، ناچاکیاں کبھی کا بیان موثر طریقے سے غم انگیزی کے ساتھ کیا ہے۔ ان تمام ناول نگاروں نے عورتوں کی تعلیم، اخلاق اور ان کی آزادی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے اور عام طور پر ایک آئیڈیل عورت یا لڑکی کا تصور بھی پیش کیا ہے جو مشرق و مغرب کی بہترین قدروں کی امین ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جن خاتون ناول نگاروں نے شہرت اور مقبولیت حاصل کی ان میں سب سے نمایاں نام "نذر سجاد حیدر" کا ہے۔ ان کی پیدائش ایک اعلی اور روشن خیال مسلم گھرانے میں ۱۸۹۶ء کے آس پاس ہوئی۔ وہ سجاد حیدر یلدرم کی بیوی اور قرۃ العین حیدر کی والدہ ہیں۔ ابتدا سے ہی انہیں ایک ایسا گھریلو ماحول ملا جسے ترقی پسند اور روشن خیال سمجھا جاتا تھا۔ صغرٰی ہمایوں کی طرح ہندوستان کے مختلف علاقوں اور باہر کے ملکوں کی سیاحت کا بھی انہیں موقع ملا۔ نذر سجاد حیدر کا پہلا ناول "اختر النساء بیگم" ہے جو ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا ہے۔ اس ناول کا موضوع "تعلیم نسواں ہے۔ یہ بھی ایک کرداری ناول ہے جو مرکزی کردار اختر النساء بیگم کے گرد گھومتا ہے۔ وہ ایک جرات مند اور باحوصلہ عورت ہے اور فرسودہ رسم ورواج یا غیر ضروری پابندیوں کی زیادہ پروانہیں کرتی قابل غور بات یہ ہے کہ مصنفہ نے یہ ناول صرف چودہ پندرہ سال کی عمر میں تحریر کیا تھا۔ ایسے میں ان کا نقطہ نظر حیرت انگیز بھی ہے اور قابل داد بھی۔ یوسف سرمست نے اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "نذر سجاد حیدر کی ہیروئن اختر النساء اس اعتبار سے زیادہ روشن خیال اور ترقی پسند ہے۔ وہ گو انتہائی ظلم و ستم سہتی ہے لیکن جب اسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے تو اپنی زندگی کو خود آپ بناتی ہے وہ فرضی نام اختیار کر کے تعلیم بھی حاصل کرتی ہے اور ملازمت بھی کرتی ہے۔ یہ ناول بیسویں صدی کے پہلے دہے میں لکھا گیا لیکن اس کے باوجود اس ناول کی ہیروئن ایسا جرات مندانہ کام کرتی ہے۔ ظاہر

ہے کہ نذیر احمد اور راشد الخیری کی کوئی ہیروئن اس قدر جرات سے کام نہیں
لے سکتی تھی۔"(۲)

اس ناول کے تمام واقعات کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ نے مسلمان عورت اوہام پرستی، جہالت اور رسوم پرستی وغیرہ بھی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے مگر ناول کی آخری اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ مسلم معاشرے خصوصاً مسلم خواتین کی ساری پریشانی کا حل ان کا تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ نذر سجاد حیدر کا دوسرا ناول "جاں باز" ہے جو پہلے رسالہ "عصمت" میں چھپتا رہا۔ پھر ۱۹۳۵ء میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ اس کا مزاج بھی اصلاحی سے میں ہندوستان کی سودیشی تحریک کے پس منظر میں ایک نیم رومانی کہانی پیش کی گئے زبیدہ ایک قوم پرست لڑکی ہے جس کا منگیتر قمر ایک مغرب زدہ لڑکی کے دام میں گھا جاتا ہے۔ مگر زبیدہ کی بچی محبت اور ثابت قدمی بالاخر قمر کو اس سے ملا دیتی ہے اور وزدواڑ کی نجمہ برے انجام سے دوچار ہوتی ہے۔

نذر سجاد حیدر کا ایک اور ناول "آہ مظلوماں" ہے جو ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔ کا موضوع دوسری شادی اور اس کے برے نتائج پر مبنی ہے۔ اس کا مزاج بھی واعظانہ ہے۔ ان کا ایک ناول "ثریا" ۱۹۳۰ء میں اور نجمہ ۱۹۳۹ء میں زیر طبع سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے ایک ناول "حرماں نصیب" بھی لکھا تھا۔ ان کا ناول "مذہب اور عشق" ان کی پھوپھی "والدہ افضل علی" (اکبری بیگم) کے نام سے تھا۔ نذر سجاد حیدر نے اپنے معاشرے کی خانگی زندگی میں کام نہیں لے سکتی تھیں۔ ان کا ناول "نجمہ" بھی اصلاحی نقطۂ نظر کی غمازی کرتا ہے۔ پنپنے والے مسائل اور سماجی روایات کو جس خوبی سے اجاگر کیا ہے، وہ یقیناً اس جس میں مغربی تعلیم اور مشرقی اقدار کی روشنی دونوں پیش کی گئی ہے۔ نذر سجاد حیدر نے اس کی طرف نشان دہی کی ہے، جو اس ناول کا موضوع بھی ہے۔ اس طرح کی شادیاں نہ صرف نچلے طبقے کے لیے وبال جان ثابت ہوتی ہیں بلکہ اعلیٰ طبقہ ایسے کاموں کو کرنے میں برابر کا شریک تھا۔ سماج میں اس طرح کی برائیاں صرف مردوں کی وجہ سے وجود میں نہیں آتیں بلکہ عورتیں بھی ان برائیوں کو ہوا دینے میں برابر کی شریک ہوتی ہیں۔

نذر سجاد نے چودہ سال کی عمر میں ایک ترقی پسند اصلاحی ناول لکھا جس کی ہیروئن "اختر النساء بیگم" نے مردوں کے معاشرے کے مظالم کا نہایت عقل مندی سے مقابلہ کیا اور آخر میں فتح مند ہوئی۔ "اختر النساء بیگم" ان کا پہلا ناول ہے۔ اس میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ مصنفہ نے ان سماجی برائیوں اور غلط رسوم کے خلاف کی کئی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ توہم پرستی، جہالت اور بے بنیاد رسم ورواج کے غلط صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ نظریوں کو پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی عورتوں کی تعلیم وتربیت کی افادیت اور ضرورت کو اس طرح نذر سجاد حیدر کے ناولوں کے موضوعات ایک عام زندگی کی سچی اور واضح کیا گیا ہے۔ نذر سجاد حیدر میں ڈپٹی نذیر احمد جیسے واعظ نظر آتے ہیں نہ شرر کی طرح مصنفہ کرداروں کی انگلی پکڑ کر انہیں کسی خاص سمت میں لے جاتی ہے۔ اور نہ ہی سرشار کی تائید میں کہیں ابتذال یا گھٹیا مذاق ہے۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں میں ان اولین خاتون رہنماؤں میں سے تھیں جنہوں نے لاتعداد بے زبان عورتوں کی حمایت میں آواز اٹھائی اور انہیں مردوں کے ناچہ استعداد سے رہا کرانے کی جدوجہد کی۔ ان کے متعدد افسانے اور ناول اسی جدوجہد کی غمازی کرتے ہیں۔

"آہِ مظلوماں" نذر سجاد حیدر کا دوسرا ناول ہے۔ ایک ایسا ناول ہے جس میں مرکزی کردار کے طور پر مرزا عزیز الرحمن اسٹنٹ کمشنر اور سلطنت آرا بیگم کو پیش کیا گیا ہے۔ سلطنت آرا ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں دولت بھی ہے، عزت بھی ہے، اور تعلیم بھی اس میں سلطنت آرا کے تین بھائی حامد علی، محمود علی اور محمد علی ایک بہن تمکنت آرا اور بہنوئی رشید الزماں کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کا پلاٹ منظم اور گٹھا ہوا ہے۔ کردار نگاری میں بھی ناول نگار نے اپنی مہارت کا مظاہرا کیا ہے۔ اور جیسا کہ

ناول نگار کے دور میں تمام ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کے اعصاب پر عورت سوار تھی۔ اس کے مطابق نذر سجاد حیدر زیادہ سے زیادہ نسوانی کرداروں کی ہمدرد نظر آتی ہیں۔ ایک جگہ لکھتی ہیں:

> اور یہ شریف بیبیوں ہی کا حوصلہ ہے۔ کہ اس قدر ظلم و ستم سہ کر بھی ویسی ہی وفادار و جان نثار رہتی ہیں یہ شوہر پرستی نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ ایک شریف و تعلیم یافتہ بی بی سے بڑھ کر دنیا میں مرد کا کوئی ہمدرد نہیں۔ مگر بی بی بھی وہ جو بیوی کہلانے کی اصل مستحق جیسی کہ ڈپٹی صاحب کی دوسری ہو۔ ورنہ ایسی ہو ہا عورت بھی باعث بربادی ہے۔ مگر افسوس کہ ہندوستان میں تو اسی قسم کی ناجائز شادیوں کی آندھی چل رہی ہے۔ جس میں کمی نہیں۔ بلکہ طوفان پیر ہے۔ مگر کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ ایڈکران مرور ریفارمران نحوم تو بہترے ہیں۔ لیکن اس کے انسداد کی کسی کو فکر نہیں۔ آخر وہ بے بس و بیکس فرقہ بھی اسی قوم کا ایک حصہ ہے جس پر نہایت بے دردی سے اندھا دھند ظلم ہو رہا ہے۔ مگر آہ کسی کو پروا نہیں۔"(۳)

"سلطنت آرا" کے کردار میں بھی ایک ایسی ہی عورت ابھرتی ہے۔ زبیدہ اور سلطنت آرا بیگم کے کردار زیادہ زندہ اور متحرک ہیں۔ آبادی بیگم کے کردار میں دونوں عورتیں کسی ماورائی صفات کی مالک نہیں ہیں۔ اور یہ دونوں بالخصوص "زرین" اس چالبازی اور فراست کو اس طرح استعمال کرتی ہے کہ اس کا کرداروں سے زیادہ زندہ اور متحرک کردار. اس کے عزم اور عمل سے ہو سکتا تھا کہ اس کے کردار کے دیرپا اثرات منظر عام پر آتے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ریحانہ اختر لکھتی ہیں:

> "فنی نقطہ نظر سے نذر سجاد حیدر کا یہ ناول بہت کمزور ہے۔ حالانکہ اس میں ادبی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ نذر سجاد حیدر چونکہ مقصدی ادب کی پیروکار ہیں اور اس دور کی دوسری خواتین ناول نگار کی طرح وہ ایک ایسے نظام کی تشکیل کی خواہاں تھیں جس میں مرد عورت کے ساتھ ناانصافی نہ کر سکے ۔اس اس ناول میں ان کے انہی خیالات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے اور اس ظلم وناانصافی کو روکنے کا جذبہ قدم قدم پر نظر آتا ہے۔ اور وہ عام لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اس تاریک پہلو پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے ان کا تن مجروح ہو جاتا ہے۔ فن کا تقاضا تو یہ تھا کہ ضمنی قصہ بھی پوری طرح اصل قصے سے منسلک ہوتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی دونوں الگ الگ طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۴)

نذر سجاد نے ان کرداروں کے ذریعے ہندوستانی خواتین کی اخلاقی تربیت بھی کی ہے۔ خواتین کی اخلاقیات کے مطابق سلطنت آرا اپنے خاوند کی بے وفائی اور دھوکہ دہی کو اپنے بھائیوں سے چھپاتی ہے اور کہتی ہے:

"میں نے بھی یہ سوچا تھا مگر جاؤں کس کے ساتھ۔ میں اپنے بھائیوں پر یہ معاملہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ اگر ظفر حسن یا کوئی بھائی پہنچانے گئے تو یہ بات کھل جائے گی اور میں اس خیال سے ابھی پوشیدگی چاہتی ہوں کہ نہ معلوم ابھی کیا بات ہے"

(۵)

اس کے برعکس "زریں" کا کردار جو غیر اخلاقی اور پھوہڑ قسم کی خاتون ہے، عیاری سے ڈپٹی صاحب کو اکساتی ہے اور بہانہ کرتی ہے:

"آپ کو کیا معلوم، گھر میں کیا کیا ہوا۔ جس وقت آپ اندر آتے ہیں وہ مجھ پر مہربان ہو جاتی ہے اور آپ کے پیچھے جس جس طرح مجھے جلایا اور ستایا جاتا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے۔ یہ چمپا اور گلاب بڑی آفت ہیں، بچھو کی طرح ڈنک مارتی ہیں"(۶)

"حرماں نصیب" کو نذر سجاد حیدر کا ایک کامیاب ناول کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس ناول میں نہ تو کرداروں کی بھرمار ہے اور نہ ہی کوئی ضمنی قصہ اس سے منسلک ہے سوائے اس کے کہ نسوانی کرداروں کو غم والم کا مجسمہ بنا کر پیش کیا گیا ہے، انداز بیان ایسا ہے کہ آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے۔ جیسے ہادی رسوا نے امراؤ جان ادا میں آپ بیتی کا لطف پیدا کر دیا ہے۔ فیروزہ کے کردار میں ایک جاں نثار بین اور ایک وفا شعار عورت کی دو تصویریں ابھرتی ہیں۔ "حرماں نصیب" ناکام محبت فیروزہ کا افسانۂ غم ہے۔ حرماں نصیب" کا انجام بڑا حقیقت پسندانہ، تشبیہات دلفریب اور اسلوب تحریر جاذب نظر ہے۔

"صبح زندگی" اور "شام زندگی" دونوں راشد الخیری کے اصلاحی ناول ہیں۔ "صبح زندگی" میں نسیمہ کے کنوارپنے کا عہد تھا اس میں صاف بتایا جاتا ہے کہ خاتون کو عہد طفلی سے بڑھاپے تک مائی کے اور سسرال میں بیٹی،، ماں، بہن اور بیوی ہونے کی نسبت سے جتنی منازل طے کرنی پڑتی ہیں، وہ سب کی سب بولتی اور جیتی جاگتی تصویر میں ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اگر خاتون کی زندگی کے کسی جزو کی تکمیل میں کوتاہی رہ جاتی ہے تو وہ شام زندگی میں تکمیل پاتی ہے۔ ناول "شام زندگی" کا آغاز ناول کی ہیروئن نسیمہ اور قسیم کی شادی خانہ آبادی سے ہوتا ہے۔ نسیمہ ایسے خاندان اور ایسے ماحول سے آئی تھی جہاں اس کو محبت اور اخلاق کا پہلا پاٹ پڑھایا گیا تھا، اپنی اسی اعلیٰ ظرفی کے باعث وہ سسرال پر جلد ہی قابض ہونے میں کامران ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کامیابی زیادہ مضبوط ثابت نہیں ہوتی، اسے اپنے شوہر کے خصائل اور مزاج میں تغیر کر کے ہی اصل کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ قسیم اور نسیمہ کے مزاج میں بڑا امتیاز تھا، نسیمہ صوم وصلوۃ کی پابند، جب کہ قسیم اس کے الٹ، نسیمہ قرآن وحدیث پر جان چھڑکنے والی خاتون، خدا کے خوف سے لرزنے والی عورت ،جب کہ قسیم۔۔۔۔بقولِ مصنف:

"نسیمہ نماز کی ایسی پابند کہ موقع ملے تو تہجد اور اشراق تک نہ چھوڑے قسیم اس نام سے ایسا بے زار کہ بس چلے تو عید وبقر عید کی بھی اڑا جائے"(۷)

رازق الخیری رقم طراز ہیں:

"انھوں نے اپنی تصانیف "صبح زندگی" "شام زندگی" اور " شب زندگی میں تعدد نسوانی کی مکمل مرقع کشی کی ہے اور ان کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ شوہر اور بیوی کے تعلقات اچھے ہیں تو گھر جنت ہے۔ اور اگر تعلقات برے ہیں تو

گھر جہنم ہے۔ عورت کو نہ صرف اپنی زندگی کی تعمیر و تخریب کا اختیار ہے بلکہ اس کے قابو میں اس کے شوہر اور اس کے بچوں کی زندگی بھی ہے یعنی عورت چاہے تو مرد کی زندگی قابل رشک بن سکتی ہے۔(۸)

راشد الخیری نے سماجی اور معاشرتی مسائل کو اپنا موضوع بنا کر جس خوب صورت انداز سے پیش کیا ہے اس سے ان کے عمیق مطالعہ اور دور اندیشی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انگریزوں کی کوری تقلید سے ہمارا معاشرہ کس قدر برباد ہو چکا ہے اس کی اصلاح کی کیا اور کیونکر تدبیریں ممکن ہو سکتی ہیں۔ اس کی سعی کی اپنے انکشافات سے سماج کی رسموں پر بھی روشنی ڈالی جن سے سماج میں خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں مثلاً رابعہ کی شادی اسکی واضح مثال ہے۔ "صبح زندگی" میں نسیمہ کے مقابل منجھلی کا کردار اپنی چمک دمک کے ساتھ نظر پڑتا ہے۔ ناول "شام زندگی" میں نسیمہ کی جٹھانی اس کے سامنے متضاد حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے۔

"مصورِ غم" راشد الخیری کے دوسرے ناولوں کی صورت اس میں بھی کوئی واقعہ اصلاح النسا سے عاری نہیں ہے۔ راشد الخیری نے انگلیوں پر گن کر وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جن سے ایک لڑکی شادی ہونے کے بعد دوچار ہو سکتی ہے۔ راشد الخیری نے صرف حیاتِ نسواں میں پیش آنے والے مصائب و مسائل ہی نہیں بیان کیے بلکہ ان کا معقول حل بھی پیش کیا ہے۔ نسیمہ راشد الخیری کا آئیڈیل کردار ہے اور وہ ہر ایک کو ایسا ہی بننے کی دعوت دیتے ہیں، اس کے لیے راہ سے پتھر ہٹاتے ہیں اپنے مقصد کو مکمل کرنے کے لیے وہ ناول میں خوابوں اور چھوٹے چھوٹے قصوں کا بھی آسرا لیتے ہیں۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو مکمل کسی وعظ یا کسی بزرگ کے نصائح آمیز خط کے ذریعہ سے کر لیتے ہیں۔ راشد الخیری قاری کی اس نبض سے آگاہ تھے کہ قاری کو آلام میں مبتلا کر کے ہی وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہر ناول میں چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعہ رنگین فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں:

"اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں اس انشا پرداز کے قلم پر جس نے یوں گدگدا گدگدا کر رلایا اور رلا ڈلا کر گدگدایا۔ کتنے بگڑے ہوئے گھر انھیں تحریروں سے سدھرے ہوں گے اور ظلمت کدوں میں انسانیت اور خدا ترسی کی شعاعیں انھیں روزنوں سے پہنچی ہونگی اور افسانہ نویسی کے اجر بے حساب اور مردے بے اندازہ کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔"(۹)

یہ فطرتِ انسانی ہے کہ اس کی ہمدردی اور توجہ مظلوم کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔ راشد الخیری نے اپنے کرداروں کو اکثر اوقات مظلوم بنا کر پیش کیا نسیمہ بھی اس مظلومیت سے مبرہ نہ رہ سکی۔ ناول کا دوسرا کردار جو قدرے اہم ہے؛ نسیمہ کا شوہر ہے۔ جو نسیمہ کے ساتھ ساتھ مکمل ناول میں بے معنی سی گردش کرتا ہے "قسیم" ہے۔ جس کی اداکاری کافی بے معنی سی ہی معلوم ہوتی ہے۔ قسیم بھی نسلِ انسان ہی سے ہے اور اپنی طرف توجہ کا متمنی۔ شاید اسی لیے اس نے فرض شناسی اور ایمانداری کو خیر باد کہہ کر مغربی تہذیب و تمدن کا راستہ اختیار کیا۔ ناول "شام زندگی" جس شکوہ سے صفحہء قرطاس پر رقم کیا گیا تھا اس سے کہیں زیادہ مشہور بھی ہوا۔ ناول "شام زندگی" میں جو غم کی تلخی کو اخلاق اور محبت کی مٹھاس سے رفع کرنے کا بیان ملتا ہے وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ اسی ناول نے مصنف کو "مصورِ غم" کا خطاب دلایا۔ ناول کے آغاز ہی میں جٹھانی کا ظلم اور ساجد کی مظلومی قاری کو اپنے دام میں لے لیتی ہے ناول کی غم انگیزی کے متعلق اخبار "مشرق" میں کچھ یوں تعریف کی گئی:

"شام زندگی درد و غم کی داستان ہے مگر صنف نازک کی تربیت و تعلیم میں ایک بڑی معلمہ کا کام کرتی ہے۔ جن عورتوں کو نالائق یا گمراہ شوہروں سے سابقہ پڑ جائے اگر وہ اس کتاب کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں تو ان کے خاندان سنبھل جائیں گے۔ اور ان کا گھر بربادی سے بچ جائے گا قصہ دلچسپ اور بیان پر لطف ہے۔ بیان میں روانی اور داستان میں طغیانی ایسی ہے کہ ہم کو دیر تک اس قصہ نے اشکبار کیا"(۱۰)

مرزا محمد سعید ناول نگاروں کی کامیابی ان کی کردار نویسی ہے اور وہ اس صف میں اس وجہ سے نمایاں ہیں کہ اُنھوں نے مرزا ہادی رسوا (امراؤ جان ادا) کے بعد پہلی بار کرداروں کی تحلیل نفسی (Psycho Analysis) کو بنیاد بنا کر اپنے کرداروں کی نفسیاتی پیش کش کی طرف خاص توجہ دی ہے اور یہی ان کی کامیاب ناول نگاری کی ضمانت ہے۔ مرزا محمد سعید کے دو اہم ناول ہیں (۱) خواب ہستی (۱۹۰۵ء) اور (۲) یاسمین (۱۹۰۸ء)۔ خواب ہستی مرزا محمد سعید کا پہلا ناول ہے۔ یہ ایک اصلاحی ناول ہے۔ مرزا محمد سعید اپنے ناول "خوابِ ہستی" کے آغاز یہ میں رقم طراز ہیں:

"اکثر ناول نویس قصہ کی دلچسپی بڑھانے کی غرض سے لوح پر یا تمہید میں یہ لکھ دیتے ہیں۔ کہ ایک اصلی واقعہ کی بنا پر لکھا گیا ہے" ہم ایسی صداقت کا سرگز دھوئے نہیں کرتے۔ کیونکہ ہو وہ قیاسات و شبہات کا محرک بننا نہیں منظور نہیں۔ لیکن یہ ضرور دعوے کرتے ہیں۔ کہ اس کے ہر ایک فقرے میں واقعیت کی جھلک نظر آتی ہے، بہت سے فقرات و خیالات اپنے نوجوان دوستوں کی تحریر و تقریر سے مجنہ نقل کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمیں جس فقرے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔ وہ ہم نے ایک نہایت عزیز دوست کے خط سے نقل کیا ہے، یہ صاحب نہایت متین و سنجیدہ نوجوان ہیں۔ اور اُنھوں نے نہ صرف زمانہ طالب علمی نہایت نیک نامی سے بسر کیا ہے۔ بلکہ اس وقت بھی بحیثیت ایک ممتاز سرکاری عہدہ دار اور ہونہار اہل الرائے ہونے کے اس قابل ہیں۔ کہ قوم کے دیگر نوجوانوں کے لئے نمونہ ہوں۔ لہذا ان کی رائے ناظرین کی خاص توجہ کی مستحق ہے"(۱۱)

ناول کا ہیرو عثمان ہے جو ایک تعلیم یافتہ، قابل، ذہین مگر سادگی پسند نوجوان ہے۔ حسن افروز کے دلسوز حسن کو دیکھ کر وہ اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اس دوران وہ دوسری عورت "شمیم" کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے لیکن شمیم ہر جائی ہے۔ وہ عثمان کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور عثمان دوبارہ حسن افروز کے حسن میں پناہ لیتا ہے۔ خاندانی روایات کو بالائے طاق رکھ کر اور گھر والوں کی مخالفت کے باوجود وہ حسن افروز سے شادی کر لیتا ہے لیکن حسن افروز (جو بنیادی طور پر ایک طوائف ہے) کو عزت کی زندگی راس نہیں آتی ہے وہ بیمار ہو جاتی ہے۔ یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ حسن افروز کی موت کا صدمہ عثمان برداشت نہیں کر پاتا ہے اور ذہنی توازن کے ساتھ ساتھ اپنی صحت بھی کھو بیٹھتا ہے لیکن اس کا دوست ایڈرین اس کی طرف بھرپور توجہ دیتا ہے اور عثمان کو نئی زندگی مل جاتی ہے۔ صحت

یاب ہو کر وہ عشق حقیقی میں غرق ہو کر لازوال دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ حسن افروز کو ناول میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ طوائف ہونے کے باجود فطرتاً نیک سیرت اور معصوم عورت ہے۔ اس کی معصومیت پر ہی عثمان اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے کرداروں کا تقابل اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ زنانے کرداروں میں شمیم اور حسن افروز دو متضاد طبیعتیں ہیں۔ یاسمین مرزا محمد سعید کا دوسرا ناول ہے۔ یہ ایک کرداری ناول ہے۔ غضنفر علی اپنے بیٹے اختر کی تعلیم و تربیت اور پھر شادی بھی اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کر دیتے ہیں۔ اختر اس زور و زبردستی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے لیکن غضنفر علی اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اس کو اپنے دوست رئیس الدولہ کے پاس کلکتہ سیر و سیاحت کی غرض سے بھیج دیتے۔ کلکتہ میں اس کی ملاقات پاکمین سے ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور یہ قربت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یاسمین پھول چندر کو پہلے تو محبت کا یقین دلاتی ہے لیکن پھر اس کو جھٹک دیتی ہے۔ پھول چندر ایک غیرت مند نوجوان ہے اس لیے اپنی ذلت برداشت نہیں کر پاتا ہے اور خودکشی کرتا ہے۔ ادھر اختر یاسمین کی حرکتوں سے خوش نہیں ہے۔ وہ رشک و حسد کی آگ میں جل جاتا ہے۔ اس لیئے اس غم کو غلط کرنے کے لئے خود سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن اختر یاسمین کو بھول نہیں پاتا ہے۔ ناول کے نسوانی کرداروں میں یاسمین اور صفیہ کے کردار قابل ذکر ہیں۔

یاسمین کے کردار میں خواب ہستی کی "شمیم" کی کئی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ شمیم کی طرح یاسمین بھی ایک دغاباز اور شاطر عورت ہے۔ محبت، شادی اور ازدواجی زندگی اس کے لئے کوئی مفہوم نہیں رکھتی ہے۔ وہ ایک رنگین مزاج لڑکی ہے۔ چونکہ اس کی ماں یہودن ہے اس لئے اس کی طبیعت میں سیمابی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ماں کی طرف سے دی ہوئی بے جا آزادی، انگریزی تعلیم اور مردوں کے ساتھ بے تکلف میل جول نے اس کو حد درجہ بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ مرد بدلنا اس کی فطرت بن گئی ہے۔ علی عباس حسینی اس کے کردار کی ان خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> "حقیقتاً یاسمین صحیح معنوں میں عورت تھی۔۔۔۔۔ اختلافات و مجموعہ اضداد بھی مجسمہ خود بینی بھی ہمہ تن ایثار بھی غضب کی پہلی بھی رحم کی پری بھی کالی مائی اور بھی کاشی دیوی کے یاسمین مرزا محمد سعید کے نسوانی کرداروں میں ایک اہم اور جاذب نظر کردار ہے۔ وہ نہ تو جسم رحمانی ہے اور نہ ہی پیکر شیطانی۔ اس میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں کے جاتی ہیں۔ مرزا سعید نے اس کردار کی طرف خاص توجہ دی ہے اور اس کے پورا رتقاء کو پیش کیا ہے" (۱۲)

پریم چند اُردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک عہد ساز شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہ حیثیت ادیب پریم چند کی نگارشات اور ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ نثری ادب کی ہر صنف میں ان کی تصانیف اور تحریریں ملتی ہیں۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، سوانح تنقید اور انشائیہ کے علاوہ انھوں نے بچوں کے لئے بھی مفید اور دلچسپ کتابیں مرتب کی ہیں۔ ایک کامیاب مترجم کی حیثیت سے بھی اُردو اور ہندی میں ان کا خاص مقام ہے۔ ان میں سے ہر صنف میں پریم چند کا منفرد اور دلنشیں طرز تحریر، ان کی شخصیت کے دلاویز پہلو اور زندگی اور زمانے کے متعلق ان کے تصورات نمایاں ہیں۔ اُردو زبان وادب میں پریم چند کے مرتب کا تعین اسی وقت ممکن ہے جب ان تمام موضوعات پر ان کی تصانیف اور تحریروں کا عائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے ناولوں میں بے شمار نسوانی کرداروں کو پیش کیا ہے جن کے ذریعے عورت کے مختلف مسائل کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستانی عورت کی پامالی اور کسمپرسی نے پریم چند کو کافی متاثر کیا ہے اور عورت کی یہی پامالی اور شکستگی ان کے ناولوں کا ایک خاص موضوع ہے۔

پریم چند نے ناولوں کے ذریعہ سماجی سیاسی اور معاشی مسائل پیش کئے ان کی نگاہ ہمیشہ ملک کے ان ہی حالات پر رہتی تھی۔ لیکن مدن گوپال کے الفاظ میں چونکہ اس سپاہی کی تربیت صحافت سے ہوئی ہے اس طرح ان کی ناول نگاری ایک پورے عہد کی عکاسی کرتی ہے۔ پریم چند کی ناول نگاری اپنے عہد کے سیاسی، سماجی، ملکی اور قومی حالات کو بہتر بنانے کی جدوجہد میں شریک ہو جاتی ہے۔ الغرض پریم چند کے ناولوں اور کہانیوں میں ان کے عہد تک کے ہندوستان کی معاشی، سیاسی، طبقاتی اور عوامی کشمکش کا بڑا واضح اور تابناک نقشہ ملتا ہے لیکن پریم چند کی زندگی، ان کے تصویر حیات، ان کا عہد اور ان کی تحقیقات باہمد گر اس درجہ مخلوط ہیں کہ ان کو باہمہ یا بے ہمہ دیکھنا اور دکھانا مشکل لیکن اہم اور دلچسپ مطالعہ ہے۔ اُنھوں نے کئی ایسے نسوانی کردار بھی تخلیق کئے ہیں جن کے ذریعے عام گھریلو مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پورنا کے کردار میں اُنھوں نے ہندو بیوہ کی زندگی کی تلخیوں کا بیان فنی بصیرت کے ساتھ کیا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب" کا موضوع عقدِ بیوہ گان ہی ہے۔ پریم چند کو بیواؤں کے مسئلے سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس مسئلہ کو انھوں نے بڑی تکرار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب، پرکیا، پرتگیا اور بیوہ کا ہی موضوع ہے۔ ان ناولوں کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے:-

> "۱۹ء میں پریم چند نے "پرکیا کے پلاٹ میں کچھ تبدیلیاں کر کے نئے سرے سے لکھا اور اس کا نام یہ تنگیا" رکھا۔ یہی ناول ہندی میں سے میں پرتگیا" کے نام سے شائع ہوا اور پھر اس کا ترجمہ ۱۹ء میں بیوہ " کے نام سے اُردو میں شائع ہوا ہے" (۱۳)

دراصل بیوگان کے مسائل کے مختلف پہلوؤں کو انھوں نے اپنے مختصر ناول "بیوہ" میں کسی قدر وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پریم چند نے اس طور پر اس مسئلہ کا ایک عملی اور سماجی حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ عورت کی جہالت اور اس کی معاشی غلامی ہی ہندو سماج میں اس کی پستی، بدحالی اور ذلت کا اصل سبب ہے۔ اور اس غلامی کی زنجیر کو توڑے بغیر اس کے لئے آزاد فضا اور تر و تازہ ہوا میں سانس لینا ممکن نہیں۔ بیوہ کا ایک اور اہم کردار "سمترا" ہے۔ وہ اپنے شوہر کملاچرن سے پیار کرتی ہے لیکن اس کی خودداری اور حفظ انس کا جذبہ تنگ دل کملاچون کے احساس برتری سے متصادم ہوتا ہے۔ پریم چند نے اس سوال کو" بازار حسن" میں ذرا اور بڑے کینوس پر ابھارا ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر خود بھی سوچا ہے اور دوسروں کو بھی دعوت دی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اشرف، کنور محمد، ہندوستانی معاشرہ عہدِ وسطی میں، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، ۱۹۷۴، ص: ۳۲۴

۲۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی مین اُردو ناول، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد۔ دسمبر ۱۹۷۳، ص: ۱۵۹

۳۔ نذر سجاد حیدر، آہِ مظلوماں، مشمولہ: ہوائے چمن میں خیمہء گل، مرتبہ: قرۃالعین حیدر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۴، ص: ۳۸۲

۴۔ ریحانہ اختر نقوی، ڈاکٹر، اُردو کے نمائندہ ناولوں میں نسوانی کردار ۱۸۶۹ سے ۱۹۴۷ تک، بیسویں صدی پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۸۷، ص: ۱۲۸

۵۔ نذر سجاد حیدر، آہِ مظلوماں، مشمولہ: ہوائے چمن میں خیمہء گل، مرتبہ: قرۃالعین حیدر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۷۲

۶۔ ایضاً، ص: ۳۸۹

۷۔ راشد الخیری، شامِ زندگی، عصمت بک ڈپو، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص: ۱۶

۸۔ رازق الخیری، سوانح عمری علامہ راشد الخیری، مشمولہ: عصمت سالگرہ نمبر، شمارہ نمبر ۲، ۱، جولائی ۱۹۶۴ء، ص: ۴۶۳

۹۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا، راشد الخیری کی ناول نگاری، مشمولہ، عصمت، جولائی ۱۹۳۹ء، ص: ۲

۱۰۔ رازق الخیری، سوانح عمری علامہ راشد الخیری، مشمولہ: عصمت سالگرہ نمبر، شمارہ نمبر ۲، ۱، جولائی ۱۹۶۴ء، ص: ۴۶۲

۱۱۔ محمد سعید، مرزا، خوابِ ہستی، دارالاشاعت پنجاب، لاہور، ۱۹۳۷ء، ص: ۱۰-۱۱

۱۲۔ حسینی، علی عباس، ناول کی تاریخ و تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۴

۱۳۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۵۲

References in Roman Script:

1. Ashraf, Kanwar Muhammad, Hindustani Mu‘asharah ‘Ahd-e-Wusta Mein, National Book Trust, New Delhi, 1974, p. 324.
2. Yusuf Sarmast, Dr., Biswin Sadi Mein Urdu Novel, National Book Depot, Hyderabad, December 1973, p. 159.
3. Nazar Sajjad Haider, “Aah-e-Mazluman,” included in Hawa-e-Chaman Mein Khaima-e-Gul, compiled by Qurratulain Hyder, Educational Publishing House, Delhi, 2004, p. 382.
4. Rehana Akhtar Naqvi, Dr., Urdu Ke Numainda Novelon Mein Niswani Kirdar: 1869 Se 1947 Tak, Biswin Sadi Publications, Delhi, 1987, p. 128.
5. Nazar Sajjad Haider, “Aah-e-Mazluman,” included in Hawa-e-Chaman Mein Khaima-e-Gul, compiled by Qurratulain Hyder, Educational Publishing House, Delhi, 2004, p. 372.
6. Ibid., p. 389.
7. Rashid-ul-Khairi, Sham-e-Zindagi, Ismat Book Depot, Delhi, 1939, p. 16.
8. Raziq-ul-Khairi, “Sawanih Umri Allama Rashid-ul-Khairi,” included in Ismat Salgirah Number, Issue Nos. 1–2, July 1964, p. 463.
9. Abdul Majid Daryabadi, Maulana, “Rashid-ul-Khairi Ki Novel Nigari,” included in Ismat, July 1939, p. 2.
10. Raziq-ul-Khairi, “Sawanih Umri Allama Rashid-ul-Khairi,” included in Ismat Salgirah Number, Issue Nos. 1–2, July 1964, p. 462.
11. Muhammad Saeed, Mirza, Khwab-e-Hasti, Dar-ul-Ishaat Punjab, Lahore, 1937, pp. 10–11.
12. Husaini, Ali Abbas, Novel Ki Tarikh-o-Tanqid, Educational Book House, Aligarh, 1998, p. 54.
13. Qamar Rais, Dr., Prem Chand Ka Tanqidi Mutala‘ah Bahaisiyat Novel Nigar, Educational Publishing House, New Delhi, 2004, p. 152.